کاغذی ہے پیرہن

ساجد: آپ کی اِن عُریاں تصویروں میں فن کارانہ ضبط کی کمی ہے گو کہ آپ نے اِس کی تلافی اپنے بے باک اُسلوب اور اخلاقی جرأت سے کردی ہے۔

مُصوّر: ذرّہ نوازی ہے!

ساجد: اِن تصویروں میں آپ نے جنسی جذبے اور تعزیراتِ پاکستان دونوں کو بڑی جی داری سے للکارا ہے۔ یہی نہیں۔ ان میں چونکا دینے والے معصوم تحیّر کی تازگی اور چمک بھی ہے ـــــ ذہانت کی وہ اچانک چمک جو ایک ایسے غبّی لڑکے کی آنکھوں میں پیدا ہوتی ہے جس پر پہلے پہل انکشاف ہُوا ہو کہ پشواز کے نیچے سچ مچ سارنگی کے تار کی طرح تنا ہُوا کٹیلا بدن بھی ہوتا ہے۔

زبیر: (سنجیدگی سے) محرم اور اس کے تعلقات کے خطوط کو اُبھار کر فنکار نے غالباً جنسی گرمی کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔

ساجد: مگر اس پینٹنگ سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ فن کار کو لُو لگ گئی۔

زبیر: (قُل اعوذی لہجے میں) حضرت! جہاں تک تحیّر کا تعلق ہے۔ ہماری رائے میں عنفوانِ شباب کا ندیدہ پن اور اُبال، اَدھیڑ پن کی اس بے دِلی سے بہرصورت بہتر ہے جو اچھی صحبت اور خراب صحت کی آمیزش کے بعد جمالیاتی ''پیوری ٹینزم'' کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

ساجد: اُبال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہاں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذہنی نکسیر پُھوٹ نکلی۔

مُصوّر: (جل کر) صاحب! سوال یہ نہیں ہے کہ ناچیز نے خُون تُھوکا ہے یا رال ٹپکائی ہے۔ حقیقت سے آنکھیں چُرائی ہیں یا چار کی ہیں۔ یہ اُبال، لا اُبالی کا نتیجہ ہے، یا ہاضمے اور حافظے کی

Scanned with CamScanner

خرابی کا اثر۔ بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ ان تاثراتی تصویروں میں، جو بقول آپ کے مجھ سے سرزد ہوگئی ہیں، کوئی حسن ہے یا نہیں۔

ساجد: ہے کیوں نہیں۔ ارے صاحب! یہی تو کھانڈ کے کھلونوں کی کم زوری ہوتی ہے، افراطِ حُسن ہی سے آخر کلاسیکی فن کا دم گھُٹ گیا۔ وہ دن گئے کہ فن کار صرف مہ رُخوں کے لیے مصوّری سیکھتے تھے۔ اب جان دار فن کو حُسن کے سہارے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس کے برخلاف میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا سارا زور محض حُسن اور حُسنِ زن پر ہے، شخصیت پر نہیں۔

مرزا: بالفاظِ دیگر ساجد صاحب کے نزدیک حُسن فقط اسم نہیں ہے۔ اس کا تعلق مسمّی بلکہ مسماۃ سے ہے۔

ساجد: اگر سیدھی سادی بات اس گنجلک پیرائے میں آپ کی سمجھ میں آسانی سے آتی ہے تو یوں ہی سہی۔ مَیں کہہ رہا تھا کہ نرے حُسن سے کام نہیں چلتا۔ یہ چشمِ بد دُور قسم کی ''اومف'' لڑکیاں جو ادبدا کر ہر نگاہ کی زد میں آجاتی ہیں، ریگستان کی رات کے مانند خشک اور ٹھنڈی ہیں۔ ان کے جنسی اپیل کی خاطر اَدھ کھلے ہونٹ اور نیم وا آنکھیں، سُرمے سے بنائے ہوئے ابروؤں کے یکساں خم، اور بڑھے ہوئے ناخنوں کی ایک جیسی نوکیں، ایک ہی تراش کی جگ بھاتی انگی چولیاں اور اُن کی ایک سی مہک۔ یہ سب اسٹریم لائن ہوگئی ہے۔ ان میں وضع داری ہے، طرح داری نہیں۔ مجھے ان میں کوئی شخصیت، کوئی انفرادیت نظر نہیں آتی۔

مُصوّر: مگر انفرادیت پر اِتنا زور کیوں؟ یہ سراسر ایک غیر جمہوری جذبہ ہے، ساجد صاحب! آپ نے پنجابی کا وہ مقولہ سنا ہوگا ''رن تے اَن نُوں بند نا نہیں چاہی دا۔''
یعنی کھانے اور عورت میں مین میخ نہیں نکالنا چاہیے۔

ساجد: اس قسم کی جذباتی ربوندی گرہستی زندگی میں بڑی کار آمد ثابت ہوتی ہے مگر آرٹ سُوجھ بُوجھ چاہتا ہے۔ آرٹسٹ اس قسم کے عقیدے کو دُنبے کی چکتی کی طرح لٹکائے پھرے، یہ آرٹ سے زیادہ عقیدے کی تضحیک ہے۔

زبیر: لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر آرٹ کا اصل موضوع کیا ہے؟

مرزا: حقیقتِ عُرفِ عورت!

ساجد: چلیے، اتمامِ حُجت کے لیے یہ مانے لیتے ہیں۔ لیکن ان تصویروں میں رنگوں کی شوخی سے زیادہ خطوط کے تیکھے پن پر خونِ جگر تلف کیا گیا ہے۔ اب اس روغنی تصویر ہی کو لیجیے۔ جسم کے پیچ وخم واقعی ایسے ہیں کہ اگر یہ لڑکی مُوسلا دھار بارش میں کھڑی ہو جائے تو کیا مجال کہ پیروں پر ایک چھینٹا بھی پڑ جائے۔

Scanned with CamScanner

مرزا: آپ کا اشارہ غالباً ناقابلِ ذکر دائروں اور نظر میں چُبھنے والے زاویوں کی طرف ہے۔

مُصوّر: نظر خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔ اگر بدن کو رندے سے چھیل چھال کر پیش کرنا ہی حُسن کاری ہے تو میرا دُور ہی سے سلام۔ رہا رنگوں کی شوخی کا معاملہ، تو گزارش ہے کہ میں نے ان میں ٹھیٹ مقامی رنگ بھرا ہے۔ یعنی مٹیالا جو کراچی کا اصلی رنگ ہے۔ اسے میری کم نظری کہہ لیجیے مگر یہ حقیقت ہے کہ مجھے حِنائی اُنگلیاں، صندلی بانہیں، دہکتے رُخسار، گُلنار لب، چمپئی بدن اور اُن پر اُودی اُودی رگوں کے روایتی جال، نیلگوں آنکھیں اور ان کے مہین مہین گلابی ڈورے سوائے مغل آرٹ اور اسلامی ناولوں کے کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ واقعہ یہ ہے کہ کراچی میں درخت بھی ہرے نہیں ہوتے۔ دُھوپ اور دُھول سے ان کا رنگ خاکی ہو جاتا ہے۔ نہیں صاحب! مَیں شوخ رنگ کے چھینٹوں سے تصویر کو لال چیچہا کرنے سے قاصر ہُوں۔ پکاسو کے اُداس اُداس نیلے رنگ...

مرزا: (بات کاٹ کر) سچ تو یہ ہے کہ کراچی میں طبیعت کے سوا کوئی چیز ہری نہیں ہوتی۔

مُصوّر: مرزا صاحب! اور کافی لیجیے، تھوڑی سی۔

مرزا: شکریہ! آج بہت چڑھا گیا۔ پیٹ میں الغوزے سے بج رہے ہیں۔

ساجد: غالباً میں اپنا مطلب واضح نہیں کر سکا۔ مثال کے طور پر یہ یک رنگ خاکہ ملاحظہ فرمایئے۔ چہرے کے خطوط کس قدر متوازی اور یکساں ہیں۔ بالکل مستطیل معلوم ہوتا ہے۔

مُصوّر: وجہ ظاہر ہے۔ یہ ایک کتابی چہرہ ہے۔

ساجد: کتاب جنسیات کی معلوم ہوتی ہے۔

مُصوّر: پھبتی سے آدمی لاجواب ہو جاتا ہے، قائل نہیں ہوتا۔ البتہ یکسانیت کے متعلق عرض ہے کہ بدقسمتی سے اس وقت آپ نے ایک ہی ماڈل کی لگاتار چار تصویریں دیکھ ڈالیں۔ آپ خود واقف ہیں کہ یوں تو کراچی کی شبینہ رقص گاہوں میں سینہ زور بھی ہیں اور چاک دامن بھی مگر...

مرزا: تو سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے کہ یہ بی بی چاک دامن کی تصویر ہے!

مُصوّر: (نوٹس نہ لیتے ہوئے) مگر وہ سب مصوّر کی نظروں سے اوجھل اور دسترس سے باہر ہیں۔ رہیں متوسط گھرانوں کی لڑکیاں، تو اُن کا عالم یہ ہے کہ کوئی اللہ کی بندی بُرقع اوڑھ کر بھی ماڈل بننے کے لیے رضامند نہیں ہوتی۔ صورتِ حال کا اِس سے اندازہ لگایئے کہ یہاں ایک قابل مگر قلّاچ آرٹسٹ (جو تین دفعہ نمائشوں میں انعام پا چکا ہے) محض عورتوں کی آواز سننے کے لیے ہر ہفتے فون پر 04 سے وقت معلوم کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے اسٹوڈیو اصنامِ خیالی سے آباد رہتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

مرزا: جبھی تو بچارے تجریدی مصوّر چیل بلوٹے بناتے رہتے ہیں۔

زبیر: غالباً اسی یکسانیت کا نتیجہ ہے کہ بعض تصویروں سے پتہ نہیں چلتا کہ ''فوکس'' کس حصّے پر ہے۔ پینٹنگ میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ فن کار نے کیا اُجاگر کیا ہے، بلکہ اہلِ نظر یہ دیکھتے ہیں کہ کیا کیا محذوف ہے۔ ماڈل لاکھ ہیرا تراش سہی، لیکن مصوّر کی منجھی ہوئی نظرِ انتخاب بہت جلد یہ تکلیف دہ فیصلہ کر لیتی ہے کہ کس حصّے کو فوکس کیا جائے، کیونکہ...

مرزا: مور کی دُم اُس کی مُنہ سے بہتر ہوتی ہے۔

ساجد: معلوم نہیں آپ کو جان سارجنٹ کا شاہکار ''اجنبی خاتون'' دیکھنے کا اتفاق ہُوا یا نہیں۔ ثقہ حلقوں میں اُس کے کُھلے ہوئے گریبان پر بڑی لے دے ہُوئی تھی۔ اس کی ساری شخصیت دو دائروں میں نچڑ کر آ گئی ہے۔

مرزا: آئے ہے جُزو میں نظر کُل کا تماشا ہم کو!

ساجد: سنجیدہ بحث میں صوفیانہ اشعار سے پرہیز کیجیے۔

مرزا: میں مِصرع واپس لیتا ہوں۔

مُصوّر: زاویۂ نگاہ کی اہمیت سے کس کافر کو انکار ہے۔ لیکن حلقے کی گزشتہ نشست میں آپ نے جس زنانے Torso (دھڑ) کے پرخچے اُڑائے تھے اس میں مجھے زاویۂ نگاہ کا نقص نظر نہیں آتا۔

ساجد: گستاخی معاف! اس میں نگاہ کم ہے اور زاویہ زیادہ! آپ نے محدّب شیشے سے اپنے ماڈل کو دیکھا ہے۔ مانا کہ اختصار ظرافت اور زنانہ لباس کی جان ہے مگر، تکلف برطرف، اس تصویر میں تو سینہ اوچھے کے احسان کی طرح کُھلا ہوا ہے۔

مرزا: ماڈل صرف زیورِ تعلیم سے آراستہ ہے!

زبیر: لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مصور سہ جہتی تاثّر پیدا کرنے میں کامیاب رہا ہے۔

ساجد: اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنی دُزدیدہ نگاہ سے درزی کے فیتے کا کام لیا ہے (جھنجھلا کر) اور ذرا ملاحظہ کیجیے یہ دوسری NUDE۔ طباق سا منہ کھولے، کٹورا سی آنکھوں سے ٹکر ٹکر دیکھ رہی ہے۔

مُصوّر: (آپے سے باہر ہوتے ہوئے) یہ کسبیروں کی اصطلاحیں ہیں۔ مصوری سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن میں پوچھتا ہوں، کیا آپ کو اس میں اور کچھ دکھائی نہیں دیتا؟

مرزا: آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں!

زبیر: تناسب واقعی قابلِ داد ہے۔

Scanned with CamScanner

ساجد: اس سے انکار نہیں کہ ہر چول ٹھیک ٹھکی ہوئی ہے۔ مگر اس ننگی، بجی تصویر میں کوئی فضا، کوئی پیغام نہیں۔

مرزا: پیغام ویغام تو اپنے پلّے نہیں پڑا۔ اگر ہے تو یقیناً قدِ آدم قسم کا ہوگا۔ البتہ فضا ضرور ہے جاپانی حمام کی سی! اور نہیں تو!

ساجد: آپ نے میرے مُنہ کی بات چھین لی۔

مرزا: آداب!

مُصوّر: پینٹنگ اور پیغام؟ آخر آپ چھلنی سے بالٹی کا کام کیوں لینا چاہتے ہیں؟

زبیر: (سمجھوتے کے انداز میں) میں اس سلسلے میں آپ کی توجہ فرنارڈ کی ''نہانے والیاں'' کوربے کی ''گھاٹ پہ گوری'' اور رینوا کے ''غسلِ آفتابی'' کی طرف مبذول کراؤں گا۔

ساجد: بجز موضوع کے مجھے کوئی بات مشترک نظر نہیں آتی۔ اس میں جنسی اُمس ہے، غسل کی تازگی نہیں۔ (انداز ایکا ایکی خطیبانہ ہو جاتا ہے) میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ کوئی شائستہ آدمی، تاوقتیکہ وہ پیشہ ور جاسوس نہ ہو، خواب گاہ کے روزن پر اپنی بے خواب آنکھ نہیں رکھتا۔ ناقابلِ دید پہلوؤں پر روشنی ڈالنا گندہ ذہنی کی علامت ہے، اور گندہ ذہنی اور گندہ دہنی دونوں کا اصل سبب معدے کی خرابی ہے۔ پنڈے کا کساؤ، بھرے بھرے بازو، تھل تھلاتی رانیں، کیوپڈ کی کھنچی ہوئی کمانیں... یہی وہ گھسی گھسائی کھونٹیاں ہیں، جن پر سیاہ کافی پی پی کر بہکنے والے لذّت پرست انحطاطیے اپنے ادھ کچرے جذبات ٹانگتے چلے آئے ہیں۔ یہی دیکھا بھالا جسم جو اپنی آب کھو کر بھی نہ جانے کیوں ہر بار نیا نیا سا لگتا ہے، وہ مینار ہے جس کی بلندیوں سے جدید فنکار دعوتِ نظارہ دیتا ہے اور پُکار پُکار کر کہتا ہے...

مرزا: کُود جاؤں ساتویں منزل سے آج
آج میں نے زندگی کو پالیا ہے بے نقاب

ساجد: مرزا صاحب آپ اپنے ذہنی توشہ خانہ سے یہ نوادرات نکالنا بند کریں تو میں آگے بڑھوں۔ آپ کو بات بے بات لقمہ دینے کی بڑی بُری عادت ہے۔

مرزا: معافی چاہتا ہوں۔ مجھے بالکل یاد نہیں رہا کہ آپ کو اَدب سے دلچسپی نہیں۔

مُصوّر: چھوڑیئے اس قِصّے کو۔ آپ کو اس سادگی میں پُرکاری نظر نہیں آتی تو مُنہ کا مزہ بدلنے کے لیے یہ واٹر کلر ملاحظہ ہو۔ یہ ایک سن سے اُتری ہُوئی خوش باش عورت کی تصویر ہے جس کو مَیں نے جم خانہ میں تنہا بیئر پیتے دیکھا تھا۔ میں نے اس سے وقت پوچھا۔ جواب میں اس نے فون نمبر بتایا جو مَیں نے نوٹ کر لیا۔

Scanned with CamScanner

ساجد: تکنیک کے لحاظ سے یہ پچھلی تصویر کی اُلٹ ہے۔ آپ نے رُخساروں کی جُھرّیوں پر بڑی محنت اور محبت سے استری کی ہے مگر آنکھوں کے کونوں پر مہین مہین لکیریں چغلی کھا رہی ہیں کہ وقت کی مکڑی دبے پاؤں جالا بُن کر اس کا سارا رُوپ کھا گئی۔

مرزا: دہانے کے دونوں طرف بریکٹ بھی تو لگے ہُوئے ہیں۔

ساجد: اس میں آپ نے خطوط کے بوجھل پھیلاؤ اور نیم گرم رنگوں کے استعمال سے وہ سڈول پن اور گداز بھی واضح کر دیا جو ادھیڑ عمر کا پیش خیمہ ہے۔ اُتار چڑھاؤ صاف کہہ رہا ہے کہ پہلے جہاں نشیب تھا وہاں اب فراز ہے۔

مرزا: اور جہاں پہلے خروش تھا، اب وہاں فقط خراش ہے اور اس شکم بالائے شکم پر ملاحظہ ہو... وہ اِک دَہن کہ بظاہر دہانے سے کم ہے۔

ساجد: جی ہاں! خوب صورت تو کسی طرف سے نہیں معلوم ہوتی۔

مُصوّر: مَیں نے کب یہ دعویٰ کیا کہ اس کے پونے دو سو پونڈ میں ایڑی سے چوٹی تک کوٹ کوٹ کر موہنی بھری ہے۔

ساجد: شاید آپ نے جان بُوجھ کر یہ متورم کیفیت پیدا کی ہے۔ مُنہ کچھ بھر بھرایا ہُوا سا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے آؤٹ آف فوکس فوٹو!

مُصوّر: ایک خاص عُمر کے بعد ہر عورت آؤٹ آف فوکس معلوم ہوتی ہے، جناب!

ساجد: عُمر کس کی؟ اپنی یا...؟

زبیر: آپ نے غور کیا؟ اس تصویر کا بے تکلف اسلُوب اور گُداز ریمراں کی برہنہ ''شیبا'' اور ططیان کی عُریاں ''وینس اور موسیقار'' سے کس قدر ملتا جلتا ہے۔

ساجد: بس اتنا فرق ہے کہ یہاں مُصوّر نے کپڑے پہنا کر مشرف بہ اسلام کر دیا ہے۔

مرزا: لیلیٰ معنی وہاں بے پردہ، یاں محمل میں ہے۔

زبیر: آپ کو بے پردگی پر اعتراض ہے یا محمل پر؟

ساجد: جی نہیں! میرا اعتراض یہ ہے کہ محمل خالی ہے۔

مرزا: اور ہمیں سرے سے اُونٹ کی سواری پر اعتراض ہے۔

مُصوّر: میں پوچھ سکتا ہوں کہ اِن باتوں کا اس تصویر سے کیا تعلق ہے؟

ساجد: یہ مرزا صاحب سے پُوچھیے جنھوں نے چنگاری چھوڑی ہے۔ مجھے جو بات اس تصویر میں کھلتی ہے۔ وہ اس کی مرصّع کاری اور آرائش ہے۔ دیکھیے تو! بالکل چوتھی کی دُلھن معلوم ہوتی ہے یہ عورت! بناؤ سنگھار ہر عورت کا حق ہے بشرطیکہ وُہ اسے فرض نہ سمجھ لے۔ لیکن...

Scanned with CamScanner

مرزا: بوڑھی گھوڑی لال لگام!

مُصوّر: (جل کر) اس سے زیادہ قابلِ اعتراض وہ گھوڑی ہے جو بوڑھی بھی ہو اور بے لگام بھی۔

زبیر: گولی ماریئے دونوں گھوڑیوں کو! اِدھر دیکھیے۔ یہ ایزل پر رکھی ہُوئی سڈول پنڈلی والی رقاصہ کی تصویر خاصی خیال انگیز ہے۔

ساجد: اس میں بھی ہر پھر کے وُہی لڑکی کی ایک ٹانگ ہے۔

مرزا: (سرد آہ بھر کر) کاش کھنکھجورے کی طرح اس کی ہزار ٹانگیں ہوتیں اور یہ شیس آسن کرتی ہُوئی درّانہ نکل جاتی۔

ساجد: بخدا مجھے تعداد پر کوئی اعتراض نہیں۔

مرزا: اللہ! کانٹا تول چیز ہے۔

مُصوّر: یہ مصر کی ایک نوخیز رقاصہ کی تصویر ہے جو پچھلے ہفتے ایک طائفے کے ساتھ کراچی آئی تھی۔ بس آدھ گھنٹے کی ایک نشست اسی ہوٹل میں رہی، جو رُوح اور جیب کی گہرائیوں میں اُتر گئی۔

ساجد: میں نے بھی سنیچر کی رات کو ''کیلپ سو'' کی تیز تال پر اس کا ناچ دیکھا تھا ـــــ فن براہِ تن کا اس سے بہتر مظاہرہ اب تک دیکھنے میں نہیں آیا۔

زبیر: توبہ توبہ! اِس قدر حیا سوز نظارہ تھا کہ کسی کا آنکھ جھپکانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

مرزا: ناچنے ہی کو جو نِکلے تو کہاں کا گھونگھٹ۔

ساجد: مَیں نہیں کہہ سکتا کہ کلاکار کے لیے گھونگٹ کس حد تک غیر ضروری ہے، لیکن...

مرزا: یہ گھونگھٹ کے سائز پر منحصر ہے۔

ساجد: لیکن ناموسِ فن کا مدار اِسی پر ہے اور یہی سبب ہے کہ اس تصویر میں رمزیت کی کمی شدت سے محسُوس ہوتی ہے۔ اس میں مونالزا کی مُسکراہٹ کی طرح سوچ میں ڈالنے والی کوئی بات نہیں۔ مُصوّر نے اپنا مُدّعا اُردو اخباروں کی جلی سُرخیوں کی مانند نہایت واضح اور غیر مُبہم طریقے سے ظاہر کر دیا ہے۔ آپ کو وہ مقولہ یاد ہوگا کہ شائستہ آدمی کی پہچان یہ ہے کہ وہ میرلن منرو کے سراپا کی گولائیوں کو ہاتھ ہلائے بغیر بیان کر سکے۔

مُصوّر: بندہ پرور! یہ سرد و گرم چشیدہ جسم کے تاثراتی مطالعے ہیں۔ ان پر میڈونا جیسے معصُوم چہروں کی قلم نہیں لگ سکتی۔ اگر آپ چینی کی گڑیوں جیسے چہرے دیکھنا چاہتے ہیں، جن کے لذت نا آشنا ہونٹوں سے چھٹی کے دُودھ کی بُو آتی ہو، تو ان تصویروں سے آنکھیں پھیر لیجیے۔ مَیں اپنے سر پر یہ کوہِ قاف لادنے سے معذور ہوں۔ اَب سے پچاس سال پہلے رومانی فن کار اور نفاست پسند حضرات حقیقت المعروف بہ عورت میں وہی خُوبی تلاش کرتے تھے

Scanned with CamScanner

جو فی زمانہ صرف ''کوکا کولا'' اور ''اوولٹین'' میں پائی جاتی ہے۔ یعنی کسی انسانی ہاتھ نے نہ چھوا ہو۔ ایشیا نے انسانی جسم کو ہمیشہ ایک مقدس امانت سمجھا اور مادی آلائشوں سے بلند رکھا۔

مرزا: آسائشوں سے بلند رکھا کہیے۔

مُصوّر: لہٰذا ہماری تہذیب میں اس کا صحیح مقام اور منصب صلیب ہے، نہ کہ سیج۔

ساجد: مجھے خوشی ہے کہ آپ نے غصّے میں دو چار ریڈی میڈ فقرے داغ دیے۔

مرزا: اس لحاظ سے آپ نے بھی آج آموختہ بُرا نہیں سنایا، ساجد صاحب!

مُصوّر: آپ نے پڑھا ہوگا اور پڑھا نہیں تو سُنا ضرور ہوگا کہ ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں پیانو، میز اور کُرسی کے پایوں پر ڈھیلے ڈھالے دبیز غلاف چڑھائے جاتے تھے۔ کیوں کہ شرفاء ننگے پایوں کو نگاہ بھر کے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور تو اور محفل میں ''رومال'' کا لفظ زبان پر لانا بدتمیزی کی بات سمجھی جاتی تھی۔ حالانکہ حاضرین کو ایک دُوسرے کی ناک یا اس کے بہنے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ ہمارے ہاں اب بھی عصمت چغتائی کے ''لحاف'' سے ٹھنڈے پسینے چھوٹنے لگتے ہیں اور شریف بہو بیٹیاں منٹو کے افسانے پانچویں چھٹی دفعہ پڑھتے وقت بھی شرم سے پانی پانی ہو جاتی ہیں۔

ساجد: شرم و حیا عورت کا زیور ہے۔

مرزا: غالباً اسی لیے آج کل صرف خاص خاص موقعوں پر پہنا جاتا ہے۔

مُصوّر: آخر آپ کو جسم پر کیا اعتراض ہے؟

ساجد: جسم پر اعتراض صرف روحوں کو ہو سکتا ہے۔ مجھ سے پوچھیے تو بیسویں صدی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے جسم کے تقدّس اور تقاضوں کو مانا اور منوایا۔ لیکن مجھے جسم کی غیر فنی نمائش پر ہمیشہ اعتراض رہا ہے۔ اس قسم کے فن کا بڑا عبرت ناک انجام ہوگا۔

مرزا: یعنی یہ یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کر لیا جائے گا؟

زبیر: بہرحال ساجد صاحب کی یہ رائے صحیح ہے کہ عُریانی فن کے لیے مضر ہے۔

ساجد: ممکن ہے یہ صحیح ہو۔ مگر یہ رائے میری نہیں ہے! دراصل عُریانی کے لیے فن سب سے بڑا خطرہ ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ مکمل عُریانی سے کہیں زیادہ خطرناک اور مخرّبِ اخلاق وہ نیم دروں نیم بروں قسم کی ستر پوشی ہے جو زوال آمادہ تخیّل کو اُکساتی ہے۔ ایپسٹائن کے مجسّمے کو دیکھ کر میرے بدن میں چیونٹیاں سی نہیں رینگتیں، لیکن اگر انھیں نائلون کے برقعے پہنا دیے جائیں تو میں فحش قرار دوں گا۔

مرزا: گویا اَلف ننگا ننگ تن، نیم برہنہ خطرۂ فن!

Scanned with CamScanner

ساجد: یاد کرو بچے اور معنی!

زبیر: (ہنس کر) گرم ممالک میں بغیر ردیف قافیے کے بات آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی!

مُصوّر: اگر مَیں غلط نہیں سمجھا تو آپ عُریانی کو اتنا معیُوب نہیں سمجھتے جتنا انجیر کے پتے کو!

ساجد: دُرست! انجیر کا پتا بلیغ علامت ہے نہ صرف احساسِ گناہ کی بلکہ ترغیبِ گناہ بھی ہے۔

زبیر: اور اعلانِ گناہ بھی!

مرزا: جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔

زبیر: آج کی بحث سے ہم اس خوش گوار نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ فن کا مقصد وہی ہے جو ایشیائی لباس کا ـــــ یعنی جسم کی خُوبیوں کو چُھپانا اور خامیوں کو اُبھارنا۔ اس نقطۂ نگاہ سے عُریانی غیر فنّی بھی ہے اور غیر مفید بھی۔

ساجد: میں صرف غیر فنّی کہنے پر اکتفا کروں گا۔ اس لیے کہ عُریانی کا افادی پہلو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ دن دُور نہیں جب عُریانی جواب تک خاصے کی چیز تصور کی جاتی ہے، رفاہِ عام کی خاطر جائز قرار دے دی جائے۔ اس صورت میں عریاں تصاویر لاعلاج جنس زدہ لوگوں کے ''علاج قوتِ ضعفِ نظارہ'' کے لیے نسخے میں لکھی جائیں گی۔ فحش کتابوں کی تصنیف و اشاعت کے لیے ہر حکومت کی طرف سے مالی امداد مِلے گی۔ اس قبیل کی مقوّی بصر تصویریں ہر شفا خانے کی آرٹ گیلری میں لگائی جائیں گی اور مجسّمے میوزیم میں رکھے جائیں گے۔ ضرورت مندوں کو نفسیاتی معائنے کے بعد داخلے کے پاس ملیں گے۔

مرزا: مگر شاعروں کو بغیر معائنے کے اندر آنے کی اجازت ہوگی۔

ساجد: دیکھنے والوں کی اکثریت سٹھیائے ہُوئے سیٹھوں کی ہوگی جو اپنی عُمر کو انکم ٹیکس کی طرح چُھپاتے ہیں۔ یا ان از کارِ رفتہ بُزرگوں کی جن کی کیفیت ان ضِدّی بچّوں جیسی ہوتی ہے جن کا ابھی ابھی دُودھ چُھڑایا ہو۔

مرزا: واقعی، جہاں جنسی محرومی اتنی عام ہو کہ دہانے دہانے پر مُہر ہو، جہاں لوگ اصل سے کچیاتے اور عکس پر جان دیتے ہوں۔ وہاں ان تصویروں کی افادی حیثیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان حالات میں تو فی الواقع

عیدِ نظّارہ ہے تصویر کا عریاں ہونا

ساجد: جی ہاں! شکست خوردہ روح کی آخری پناہ گاہ جسم ہی تو ہے۔ زوالِ آدم سے لے کر اس وقت تک دامانگیِ شوق یہ پناہیں تراشتی رہی ہے۔ اس بڑھتی ہُوئی سماجی ضرورت کے احساس نے جدید فن کار کو مجبور کر دیا کہ وہ وسیلۂ اظہار کو وسیلۂ معاش کے طور پر برتے۔

Scanned with CamScanner

مرزا: اور سچ پوچھیے تو یہی اصل وجہ ہے اس کی خواری کی۔ بقول میرؔ

صنّاع ہیں سب خوار، ازاں جملہ ہوں میں بھی
ہے عیب بڑا اس میں جسے کچھ ہُنر آوے

ساجد: میر کی بھی بھلی چلائی۔ اُس ظالم کے بہتّر نشتروں سے صحت مند شاعری کو اتنا ہی نقصان پہنچا جتنا بہتّر فرقوں سے اسلام کو۔

زبیر: بہرحال، مُصوّر اس لحاظ سے قابلِ مبارک باد ہے کہ ان بولتی ہُوئی تصویروں میں ناآسودہ تقاضوں کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

ساجد: میں آپ سے مُتفق ہُوں۔ مُصوّر نے ایک غلط منزل کی طرف صحیح قدم اُٹھایا ہے اور یہ ہمارے ملک کی اس عام روش سے بدرجہا بہتر ہے کہ صحیح منزل کی جانب غلط قدم اُٹھایا جائے۔

زبیر: آپ کی زبان سے اماں پاؤں تو کچھ عرض کروں (وقفہ) بڑے فن میں کوئی سمت نہیں ہوتی۔

مرزا: گستاخی معاف۔ ''بڑے'' اور ''چھوٹے'' کی اصطلاح غیر فنّی ہے۔ اس کا تعلق ایک ایسے پیشے سے ہے جس میں موقلم کے بجائے ایک دھار دار آلہ استعمال ہوتا ہے۔

ساجد: عجیب بات ہے کہ جب فن میں چار پیسے کمانے کی صُورت نکل آئے تو لوگ اسے پیشہ کہنے لگتے ہیں۔ ہمارے ہاں فکر و فاقہ فن کے لیے ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

زبیر: کچھ بھی ہو۔ ہم مُصوّر کی شدتِ احساس اور خلوص سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ساجد: یہاں خالی خولی خلوص سے کام نہیں چلے گا۔ بچّھو بڑے خلوص سے ڈنک مارتا ہے، اور بکری اِنتہائی خلوص سے ممیاتی ہے۔ لیکن ہم اسے فن نہیں کہہ سکتے۔ یہ نہ بُھولیے کہ فن کو جتنا نقصان خلوص کے برملا اظہار سے پہنچا ہے اتنا سرکاری سرپرستی سے بھی نہیں پہنچا۔ میں خلوص کا کُھلے ڈلے پیرائے میں اظہار صرف دُعا اور قرض مانگتے وقت جائز سمجھتا ہوں۔ فن ضبط اور ٹھہراؤ کا متقاضی ہے۔ فن ریاض چاہتا ہے۔ فقط دل چیر کر دکھانا کافی نہیں۔

مرزا: ہمارے فن کار بہت سہل انکار ہیں —— پسینے کی جگہ محض اپنا خون بہا کر کام نکالنا چاہتے ہیں۔

Scanned with CamScanner